دورۂ ترجمۂ قرآن
ڈاکٹر اسرار احمد

سُورةُ البقرة

آیات ٦٠ تا ٦١

﴿وَاِذِ اسۡتَسۡقٰى مُوۡسٰى لِقَوۡمِهٖ فَقُلۡنَا اضۡرِبْ بِّعَصَاكَ الۡحَجَرَ‌ؕ فَانۡفَجَرَتۡ مِنۡهُ اثۡنَتَا عَشۡرَةَ عَيۡنًا‌ؕ قَدۡ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشۡرَبَهُمۡ‌ؕ كُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا مِنۡ رِّزۡقِ اللّٰهِ وَلَا تَعۡثَوۡا فِى الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ ﴿٦٠﴾ وَاِذۡ قُلۡتُمۡ يٰمُوۡسٰى لَنۡ نَّصۡبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادۡعُ لَنَا رَبَّكَ يُخۡرِجۡ لَنَا مِمَّا تُنۡۢبِتُ الۡاَرۡضُ مِنۡۢ بَقۡلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوۡمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا‌ؕ قَالَ اَتَسۡتَبۡدِلُوۡنَ الَّذِىۡ هُوَ اَدۡنٰى بِالَّذِىۡ هُوَ خَيۡرٌ‌ؕ اِهۡبِطُوۡا مِصۡرًا فَاِنَّ لَـكُمۡ مَّا سَاَلۡتُمۡ‌ؕ وَضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ وَالۡمَسۡكَنَةُ وَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ‌ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقۡتُلُوۡنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيۡرِ الۡحَقِّ‌ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوۡا وَّكَانُوۡا يَعۡتَدُوۡنَ ﴿٦١﴾ ﴾

اب یہاں پھر صحراءِ سینا کے واقعات بیان ہو رہے ہیں۔ ان واقعات میں ترتیبِ زمانی نہیں ہے۔ اریحا کی فتح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوئی' جس کا ذکر گزشتہ آیات میں ہوا' لیکن اب یہاں پھر اُس دَور کے واقعات آ رہے ہیں جب بنی اسرائیل صحرائے تیہ میں بھٹک رہے تھے۔

آیت ٦٠ ﴿وَاِذِ اسۡتَسۡقٰى مُوۡسٰى لِقَوۡمِهٖ فَقُلۡنَا اضۡرِبْ بِّعَصَاكَ الۡحَجَرَ‌ؕ﴾
''اور جب پانی مانگا موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے تو ہم نے کہا ضرب لگاؤ اپنے عصا سے

چٹان پر۔''

صحرائے سینا میں چھ لاکھ سے زائد بنی اسرائیل پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے اور وہاں پانی نہیں تھا۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پانی طلب کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنی قوم کے لیے پانی کی دعا کی تو انہیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اپنے عصا سے چٹان پر ضرب لگاؤ۔

﴿فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا﴾ ''تو اُس سے بارہ چشمے پھوٹ بہے۔''

''فَجَرَ'' کہتے ہیں کوئی چیز پھٹ کر اُس سے کسی چیز کا برآمد ہونا۔ فجر کے وقت کو فجر اسی لیے کہتے ہیں کہ اُس وقت رات کی تاریکی کا پردہ چاک ہوتا ہے اور سپیدۂ سحر نمودار ہوتا ہے۔

﴿قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ﴾ ''ہر قبیلے نے اپنا گھاٹ جان لیا (اور معین کرلیا)۔''

بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے' اگر ان کے لیے علیحدہ علیحدہ گھاٹ نہ ہوتا تو ان میں باہم لڑائی جھگڑے کا معاملہ ہوتا۔ انہیں بارہ چشمے اسی لیے دیے گئے تھے کہ آپس میں لڑائی جھگڑا نہ ہو۔ پانی تو بہت بڑی چیز ہے اور قبائلی زندگی میں اس کی بنیاد پر جنگ و جدل کا آغاز ہوسکتا ہے۔ ؎

کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا
کہیں گھوڑا آگے بڑھانے پہ جھگڑا

تو اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے یہ سہولت مہیا کی کہ بارہ چشمے پھوٹ بہے اور ہر قبیلے نے اپنا گھاٹ معین کرلیا۔

﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ﴾ ''(گویا ان سے یہ کہہ دیا گیا کہ) کھاؤ اور پیو اللہ کے رزق میں سے''

﴿وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ﴾ ''اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو۔''

صحرا میں ان کے لیے پینے کو پانی بھی مہیا کردیا گیا اور کھانے کے لیے مَن و سلویٰ اتار دیا گیا' لیکن انہوں نے ناشکری کا معاملہ کیا' جس کا ذکر ملاحظہ ہو۔

﴿وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ﴾ ''اور یاد کرو جب کہ تم نے کہا تھا اے موسیٰ! ہم ایک ہی کھانے پر صبر نہیں کرسکتے'' من و سلویٰ کھا کھا کر

اب ہم اُکتا گئے ہیں۔

﴿فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ﴾ ''تو ذرا اپنے ربّ سے ہمارے لیے دعا کرو''

﴿يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ﴾ ''کہ نکالے ہمارے لیے اس سے کہ جو زمین اُگاتی ہے''

یعنی زمین کی پیداوار میں سے نباتاتِ ارضی میں سے ہمیں رزق دیا جائے۔

﴿مِنْ بَقْلِهَا﴾ ''اُس کی ترکاریاں''

﴿وَقِثَّآئِهَا﴾ ''اور ککڑیاں''

یہ لفظ کھیرے اور ککڑی وغیرہ سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

﴿وَفُوْمِهَا﴾ ''اور لہسن''

فُوم کا ایک ترجمہ گیہوں کیا گیا ہے' لیکن میرے نزدیک زیادہ صحیح ترجمہ لہسن ہے۔ عربی میں اس کے لیے بالعموم لفظ ''ثُوم'' استعمال کیا جاتا ہے۔ لہسن کو فارسی میں ثُوم اور پنجابی' سرائیکی اور سندھی میں ''تھوم'' کہتے ہیں اور یہ فُوم اور ثُوم ہی کی بدلی ہوئی شکل ہے' اس لیے کہ عربوں کی آمد کے باعث اُن کی زبان کے بہت سے الفاظ سندھی اور سرائیکی زبان میں شامل ہو گئے' جو تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ کافی تعداد میں اب بھی موجود ہیں۔

﴿وَعَدَسِهَا﴾ ''اور مسور''

﴿وَبَصَلِهَا﴾ ''اور پیاز۔''

اب جو سالن کے چٹخارے اِن چیزوں سے بنتے ہیں اُن کی زبانیں وہ چٹخارے مانگ رہی تھیں۔ بنی اسرائیل صحرائے سینا میں ایک ہی طرح کی غذا ''مَن وسلویٰ'' کھاتے کھاتے اُکتا گئے تھے' لہٰذا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہمیں زمین سے اُگنے والی چٹخارے دار چیزیں چاہئیں۔

﴿قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ﴾ ''حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کیا تم وہ شے لینا چاہتے ہو جو کم تر ہے اُس کے بدلے میں جو بہتر ہے؟''

مَن وسلویٰ نباتاتِ ارضی سے کہیں بہتر ہے جو اللہ کی طرف سے تمہیں دیا گیا ہے۔ تو اس سے تمہارا جی بھر گیا ہے اور اس کو ہاتھ سے دے کر چاہتے ہو کہ یہ ادنیٰ چیزیں تمہیں ملیں؟

﴿اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ﴾ ''اترو کسی شہر میں تو تم کو مل جائے گا جو کچھ تم مانگتے ہو۔''

لفظ ''اِھْبِطُوْا'' پر آیت ۳۸ کے ذیل میں بات ہو چکی ہے کہ اس کا معنی بلندی سے اترنے کا ہے۔ ظاہر بات ہے یہاں یہ لفظ آسمان سے زمین پر اترنے کے لیے نہیں آیا' بلکہ اس کا صحیح مفہوم یہ ہوگا کہ کسی بستی میں جا کر آباد ہو جاؤ! (settle down somewhere) اگر تمہیں زمین کی پیداوار میں سے یہ چیزیں چاہئیں تو کہیں آباد (settle) ہو جاؤ اور کاشت کاری کرو' یہ ساری چیزیں تمہیں مل جائیں گی۔

﴿وَضُرِبَتْ عَلَیْھِمُ الذِّلَّۃُ وَالْمَسْکَنَۃُ﴾ ''اور ان پر ذلت وخواری اور محتاجی و کم ہمتی تھوپ دی گئی۔''

﴿وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ﴾ ''اور وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے۔'' وہ اللہ کے غضب میں گھر گئے۔

بنی اسرائیل وہ اُمت تھی جس کے بارے میں فرمایا گیا: ﴿وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ﴾ (البقرۃ) اسی اُمت کا پھر یہ حشر ہوا تو کیوں ہوا؟ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے! انہیں کتاب دی گئی تھی کہ اس کی پیروی کریں اور اسے قائم کریں۔ سورۃ المائدۃ میں فرمایا گیا:

﴿وَلَوْ اَنَّھُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىۃَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْھِمْ مِّنْ رَّبِّھِمْ لَاَکَلُوْا مِنْ فَوْقِھِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِھِمْ﴾ (آیت ۶۶)

''اگر یہ (اہل کتاب) تورات اور انجیل اور اُن دوسری کتابوں کو قائم کرتے جواُن کی جانب ان کے ربّ کی طرف سے اتاری گئیں تو کھاتے اپنے اوپر سے اور اپنے قدموں کے نیچے سے۔''

یعنی ان کے سروں کے اوپر سے بھی نعمتوں کی بارش ہوتی اور زمین بھی ان کے لیے نعمتیں اُگلتی۔ لیکن انہوں نے اس کو چھوڑ کر اپنی خواہشات' اپنے نظریات' اپنے خیالات' اپنی عقل اور اپنی مصلحتوں کو مقدم کیا' اور اپنے تمرّد' اپنی سرکشی اور اپنی حاکمیت کو بالاتر کیا۔ جو قوم دنیا میں اللہ کے قانون' اللہ کی ہدایت اور اللہ کی کتاب کی امین ہوتی ہے وہ اللہ کی نمائندہ (representative) ہوتی ہے' اور اگر وہ اپنے عمل سے غلط نمائندگی (misrepresent) کرے تو وہ اللہ کے نزدیک کافروں سے بڑھ کر مغضوب اور مبغوض ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ کافروں کو دین پہنچانا تو اِس مسلمان اُمت کے ذمہ تھا۔ اگر یہ خود ہی دین سے منحرف ہو گئے تو کسی اور کو کیا دین پہنچائیں گے؟ آج اس مقام پر موجودہ اُمتِ

مسلمہ کھڑی ہے کہ تعداد میں سوا ارب یا ڈیڑھ ارب ہونے کے باوجود ان کے حصے میں عزت نام کی کوئی شے نہیں ہے۔ دُنیا کے سارے معاملات G-7 اور G-15 ممالک کے ہاتھ میں ہیں۔ سکیورٹی کونسل کے مستقل ارکان کو ویٹو کا حق حاصل ہے' لیکن کوئی مسلمان ملک نہ تو سکیورٹی کونسل کا مستقل رکن ہے اور نہ ہی G-7' G-9 یا G-15 میں شامل ہے۔ گویا ع کس نمی پُرسد کہ بھیا کیستی! ہماری اپنی پالیسیاں کہیں اور طے ہوتی ہیں' ہمارے اپنے بجٹ کہیں اور بنتے ہیں' ہماری صلح اور جنگ کسی اور کے اشارے سے ریموٹ کنٹرول انداز میں ہوتی ہیں۔ یہ ذلت اور مسکنت ہے جو آج ہم پر تھوپ دی گئی ہے۔ ہم کہتے ہیں کشمیر ہماری شہ رگ ہے' لیکن اس کے لیے جنگ کرنے کو ہم تیار نہیں ہیں۔ یہ خوف نہیں ہے تو کیا ہے؟ یہ مسکنت نہیں ہے تو کیا ہے؟ اگر اللہ پر یقین ہے اور اپنے حق پر ہونے کا یقین ہے تو اپنی شہ رگ دشمن کے قبضے سے آزاد کرانے کے لیے ہمت کرو۔ لیکن نہیں' ہم میں یہ ہمت موجود نہیں ہے۔ ہمارے ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر خبریں آتی رہیں گی کہ قابض بھارتی فوج نے ریاستی دہشت گردی کی کارروائیوں میں اتنے کشمیریوں کو شہید کر دیا' اتنی مسلمان عورتوں کی بے حرمتی کر دی' لیکن ہم یہاں اپنے اپنے دھندوں میں' اپنے اپنے کاروبار میں' اپنی اپنی ملازمتوں میں اور اپنے اپنے کیریئرز میں مگن ہیں۔ بہرحال متذکرہ بالا الفاظ اگرچہ بنی اسرائیل کے لیے آئے ہیں کہ ان پر ذلت وخواری اور محتاجی وکم ہمتی مسلط کر دی گئی' لیکن اس میں آج کی اُمت مسلمہ کا نقشہ بھی موجود ہے ؎

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں!

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ ''یہ اس لیے ہوا کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے رہے''

﴿وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ﴾ ''اور اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کرتے رہے۔''

ہمارے ہاں بھی مُجدّ دینِ اُمت کو قتل بھی کیا گیا اور اُن میں سے کتنے ہیں جو جیلوں میں ڈالے گئے۔ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سینکڑوں تابعین مستبد حکمرانوں کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ ائمہ دین کو ایسی ایسی مار پڑی ہے کہ کہا جاتا ہے کہ ہاتھی کو بھی ایسی مار پڑے تو وہ برداشت نہ کر سکے۔ امام احمد بن حنبلؒ کے ساتھ کیا کچھ ہوا! امام ابوحنیفہؒ نے جیل میں انتقال کیا اور وہاں سے اُن کا جنازہ اٹھا۔ امامِ دار الہجرت امام مالکؒ کے کندھے

کھینچ دیے گئے اور مُنہ کالا کر کے انہیں اُونٹ پر بٹھا کر پھرایا گیا۔ حضرت مجدّد الفِ ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کو پس دیوارِ زنداں ڈالا گیا۔ سید احمد بریلویؒ اور ان کے ساتھیوں کو خود مسلمانوں نے شہید کروا دیا۔ ہماری تاریخ ایسی داستانوں سے بھری پڑی ہے۔ اب نبی تو کوئی نہیں آئے گا۔ اُن کے ہاں نبی تھے' ہمارے ہاں مجدّدین ہیں' علماء حق ہیں۔ انہوں نے جو کچھ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کیا وہی ہم نے مجدّدین کے ساتھ کیا۔

﴿ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝۶۱﴾ ''اور یہ اس لیے ہوا کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔''

ان کو یہ سزا اُن کی نافرمانیوں کی وجہ سے اور حد سے تجاوز کرنے کی وجہ سے دی گئی۔ اللہ تعالیٰ تو ظالم نہیں ہے (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ نے تو انہیں اُونچا مقام دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھی ''خیرِ اُمت'' قرار دیا۔ ہم نے بھی جب اپنا مشن چھوڑ دیا تو ذلت اور مسکنت ہمارا مقدر بن گئی۔ اللہ کا قانون اور اللہ کا عدل بے لاگ ہے۔ یہ سب کے لیے ایک ہے' ہر اُمت کے لیے الگ الگ نہیں ہے۔ اللہ کی سنت بدلتی نہیں۔ چنانچہ بنی اسرائیل کی بداعمالیوں کے سبب ان کا جو حشر ہوا آج وہ ہمارا ہو رہا ہے۔ اس ضمن میں میری کتاب ''سابقہ اور موجودہ مسلمان اُمتوں کا ماضی' حال اور مستقبل'' کے نام سے موجود ہے' اُس کا مطالعہ کیجیے!

آیات ۶۲ تا ۶۶

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۶۲ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ۭ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝۶۳ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۶۴ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ۝۶۵ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۶۶﴾

اب وہ آیت آ رہی ہے کہ جس سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ نجاتِ اُخروی کے لیے ایمان بالرسالت ضروری نہیں ہے۔

آیت ۶۲ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ ''یقیناً جو لوگ ایمان لائے''

اور اس سے مراد ہے جو ایمان لائے محمدؐ رسول اللہ ﷺ پر۔

﴿وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالنَّصٰرٰی﴾ ''اور جو یہودی ہو گئے اور نصرانی''

﴿وَالصّٰبِئِیْنَ﴾ ''اور صابی''

صابی وہ لوگ تھے جو عراق کے علاقے میں رہتے تھے اور ان کا کہنا تھا کہ ہم دینِ ابراہیمی پر ہیں۔ لیکن اُن کے ہاں بھی بہت کچھ بگڑ گیا تھا۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل بگاڑ کا شکار ہو گئی تھی اسی طرح وہ بھی بگڑ گئے تھے اور ان کے ہاں زیادہ تر ستارہ پرستی رواج پا گئی تھی۔

﴿مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ ''جو کوئی بھی ایمان لایا (ان میں سے) اللہ پر اور یومِ آخر پر''

﴿وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ ''اور اُس نے اچھے عمل کیے''

﴿فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ﴾ ''تو اُن کے لیے (محفوظ) ہے اُن کا اجر اُن کے رب کے پاس''

﴿وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾ ''اور نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ غمگین ہوں گے۔''

ان لوگوں کو نہ تو کوئی خوف دامن گیر ہوگا اور نہ ہی وہ کسی حزن سے دوچار ہوں گے۔ ظاہر الفاظ کے اعتبار سے دیکھیں تو یہاں ایمان بالرسالت کا ذکر نہیں ہے۔ اگر کوئی اس سے غلط استدلال کرتا ہے تو اس کا پہلا اصولی جواب تو یہ ہے کہ بعض احادیث میں ایسے الفاظ بھی موجود ہیں: ((مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ)) تو کیا اس کے یہ معانی ہیں کہ صرف لا الٰہ الا اللہ کہنے سے جنت میں داخل ہو جائیں گے، کسی عمل کی ضرورت نہیں؟ بلکہ کسی حدیث کا مفہوم اَخذ کرنے کے لیے پورے قرآن کو اور پورے ذخیرۂ احادیث کو سامنے رکھنا ہوگا۔ کسی ایک جگہ سے کوئی نتیجہ نکال لینا صحیح نہیں ہے۔ لیکن اس کے علاوہ چھٹے رکوع کے آغاز میں یہ اصولی بات بھی بیان کی جا چکی ہے کہ سورۃ البقرۃ کا پانچواں رکوع چھٹے رکوع سے شروع ہونے والے سارے مضامین سے ضرب کھا رہا ہے، جس میں محمدؐ رسول اللہ ﷺ اور آپؐ پر

نازل ہونے والے قرآن پر ایمان لانے کی پُر زور دعوت بایں الفاظ موجود ہے:

﴿وَاٰمِنُوۡا بِمَاۤ اَنۡزَلۡتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمۡ وَلَا تَكُوۡنُوۡۤا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ﴾

''اور ایمان لاؤ اس کتاب پر جو میں نے نازل کی ہے' جو تصدیق کرتے ہوئے آئی ہے اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے' اور تم ہی سب سے پہلے اس کا کفر کرنے والے نہ بن جاؤ''۔

اب فصاحت اور بلاغت کا یہ تقاضا ہے کہ ایک بات بار بار نہ دہرائی جائے۔ البتہ یہ بات ہر جگہ مقدر (understood) سمجھی جائے گی۔ اس لیے کہ ساری گفتگو اسی کے حوالے سے ہو رہی ہے۔ اس حوالے سے اب یوں سمجھئے کہ آیتِ زیر مطالعہ میں ''فِیْ اَیَّامِھِمْ'' یا ''فِیْ اَزْمِنَتِھِمْ'' (اپنے اپنے دَور میں) کے الفاظ محذوف مانے جائیں گے۔ گویا:

﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيۡنَ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا [فِیْ اَیَّامِھِمْ] فَلَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ﴾

یعنی نجاتِ اُخروی کے لیے اللہ تعالیٰ اور روزِ قیامت پر ایمان کے ساتھ ساتھ اپنے دَور کے نبی پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ جب تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں آئے تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے جو بھی یہودی موجود تھے' جو اللہ پر ایمان رکھتے تھے' آخرت کو مانتے تھے اور نیک عمل کرتے تھے ان کی نجات ہو جائے گی۔ لیکن جنہوں نے حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کے بعد اُنؑ کو نہیں مانا تو اب وہ کافر قرار پائے۔ محمدٌ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام رسولوں پر ایمان نجاتِ اُخروی کے لیے کافی تھا' لیکن محمدٌ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد آپؐ پر ایمان نہ لانے والے کافر قرار پائیں گے۔

آیت زیر مطالعہ میں اصل زور اس بات پر ہے کہ یہ نہ سمجھو کہ کسی گروہ میں شامل ہونے سے نجات پا جاؤ گے' نجات کسی گروہ میں شامل ہونے کی وجہ سے نہیں ہے' بلکہ نجات کی بنیاد ایمان اور عمل صالح ہے۔ اپنے دَور کے رسول پر ایمان لانا تو لازم ہے' لیکن اس کے ساتھ اگر عمل صالح نہیں ہے تو نجات نہیں ہوگی۔ قرآن مجید کے ایک مقام پر آیا ہے:

﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ﴾ (الاعراف: ٣٤)

''اور ہر اُمت کے لیے ایک خاص معین مدت ہے''۔

ہر اُمت اس معینہ مدت ہی کی مکلف ہے۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے فوت ہو گئے ان پر تو آپ ﷺ پر ایمان لانے کی کوئی ذمہ داری نہیں تھی۔ بعثتِ نبویؐ سے قبل ایسے موحدین مکہ مکرمہ میں موجود تھے جو کعبہ کے پردے پکڑ پکڑ کر یہ کہتے تھے کہ اے اللہ! ہم صرف تیری بندگی کرنا چاہتے ہیں' لیکن جانتے نہیں کہ کیسے کریں۔ حضرت عمرؓ کے بہنوئی اور فاطمہؓ بنت خطاب کے شوہر حضرت سعید بن زیدؓ (جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) کے والد زید کا یہی معاملہ تھا۔ وہ یہ کہتے ہوئے دنیا سے چلے گئے کہ: ''اے اللہ! میں صرف تیری بندگی کرنا چاہتا ہوں' مگر نہیں جانتا کہ کیسے کروں''۔

سورۃ الفاتحہ کے مطالعہ کے دوران میں نے کہا تھا کہ ایک سلیم الفطرت اور سلیم العقل انسان توحید تک پہنچ جاتا ہے' آخرت کو پہچان لیتا ہے' لیکن آگے وہ نہیں جانتا کہ اب کیا کرے۔ احکامِ شریعت کی تفصیل کے لیے وہ ''رَبّ العَالَمِین'' اور ''مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' کے حضور دستِ سوال دراز کرنے پر مجبور ہے کہ: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ اُسی صراط مستقیم کی دعا کا جواب یہ قرآن حکیم ہے' اور اس میں سورۃ البقرۃ ہی سے احکامِ شریعت کا سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے کہ یہ کرو' یہ نہ کرو' یہ فرض ہے' یہ تم پر لازم کیا گیا ہے اور یہ چیزیں حرام کی گئی ہیں۔

آیت ۶۳ ﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ﴾ ''اور ذرا یاد کرو جب ہم نے تم سے قول و قرار لیا اور تمہارے اوپر اٹھا دیا کوہِ طور کو۔''

بنی اسرائیل کو جب تورات دی گئی تو اُس وقت ان کے دلوں میں اللہ اور اس کی کتاب کی ہیبت ڈالنے اور خشیت پیدا کرنے کے لیے معجزانہ طور پر ایک ایسی کیفیت پیدا کی گئی کہ اُن کے اوپر کوہِ طور اٹھا کر معلق کر دیا گیا۔ اُس وقت ان سے کہا گیا:

﴿خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ﴾ ''پکڑو اس کو مضبوطی کے ساتھ جو ہم نے تم کو دیا ہے۔'' اس کتاب تورات کو اور اس میں بیان کردہ احکامِ شریعت کو مضبوطی کے ساتھ تھام لو۔

﴿وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ﴾ ''اور یاد رکھو اسے جو کچھ کہ اس میں ہے''

﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ ''تاکہ تم بچ سکو۔''

آیت ۶۴ ﴿ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ﴾ ''پھر تم نے روگردانی کی اُس کے بعد۔'' یعنی جو میثاقِ شریعت تم سے لیا گیا تھا اُس کو توڑ ڈالا۔

﴿فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ ''پھر اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو تم (اُسی وقت) خسارہ پانے والے ہو جاتے۔''

اگر اللہ تعالیٰ کا فضل تمہارے شاملِ حال نہ ہوتا اور اس کی رحمت تمہاری دستگیری نہ کرتی رہتی، تمہیں بار بار معاف نہ کیا جاتا اور تمہیں بار بار مہلت نہ دی جاتی تو تم اُسی وقت تباہ ہو جاتے۔

آیت ۶۵ ﴿وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ﴾ ''اور تم انہیں خوب جان چکے ہو جنہوں نے تم میں سے زیادتی کی تھی ہفتہ کے دن میں''

تمہیں خوب معلوم ہے کہ تم میں سے وہ کون لوگ تھے جنہوں نے سبت کے قانون کو توڑا تھا اور حد سے تجاوز کیا تھا۔ یہود کی شریعت میں ہفتہ کا روز عبادت کے لیے معین کر دیا گیا تھا اور اس روز دنیاوی کام کاج کی اجازت نہیں تھی۔ آج بھی جو مذہبی یہودی (Practicing Jews) ہیں وہ اس کی پابندی بڑی شدت سے کرتے ہیں۔ لیکن ایک زمانے میں ان کے ایک خاص قبیلے نے ایک شرعی حیلہ ایجاد کر کے اس قانون کی دھجیاں بکھیر دی تھیں۔ اس واقعہ کی تفصیل سورۃ الاعراف میں آئے گی۔

﴿فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ﴾ ''تو ہم نے کہہ دیا اُن سے کہ ہو جاؤ ذلیل بندر۔''

ان کی شکلیں مسخ کر کے انہیں بندروں کی صورت میں تبدیل کر دیا گیا۔ تین دن کے بعد یہ سب مر گئے۔

آیت ۶۶ ﴿فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا﴾ ''پھر ہم نے اس (واقعہ کو یا اس بستی) کو عبرت کا سامان بنا دیا ان کے لیے بھی جو سامنے موجود تھے (اس زمانے کے لوگ) اور ان کے لیے بھی جو بعد میں آنے والے تھے''

﴿وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ ''اور ایک نصیحت (اور سبق آموزی کی بات) بنا دیا اہلِ تقویٰ کے لیے۔''

آیات ۶۷ تا ۷۴

﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۭ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ قَالُوا ادْعُ

لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۭ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ۭ
عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ۭ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا
مَا لَوْنُهَا ۭ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ
النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ
عَلَيْنَا ۭ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا
ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ۭ قَالُوا
الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۭ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا
فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۭ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۷۲﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ
بِبَعْضِهَا ۭ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾
ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۭ
وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ
فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ
بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

ان آیات کے مطالعے سے قبل ان کا پس منظر جان لیجیے۔ بنی اسرائیل میں عامیل نامی ایک شخص قتل ہو گیا تھا اور قاتل کا پتا نہیں چل رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے سے حکم دیا کہ ایک گائے ذبح کرو اور اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا مُردہ شخص کے جسم پر مارو تو وہ جی اُٹھے گا اور بتا دے گا کہ میرا قاتل کون ہے۔

بنی اسرائیل کی تاریخ میں ہمیں معجزات کا عمل دخل بہت زیادہ ملتا ہے۔ یہ بھی انہی معجزات میں سے ایک معجزہ تھا۔ گائے کو ذبح کرانے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ بنی اسرائیل کے قلوب واذہان میں گائے کا جو تقدس راسخ ہو چکا تھا اُس پر تلوار چلائی جائے۔ اور پھر انہیں یہ بھی دکھا دیا گیا کہ ایک مُردہ آدمی زندہ بھی ہو سکتا ہے' اس طرح بعث بعد الموت کا ایک نقشہ انہیں اس دنیا میں دکھا دیا گیا۔ بنی اسرائیل کو جب گائے ذبح کرنے کا حکم ملا تو ان کے دلوں میں جو بچھڑے کی محبت اور گائے کی تقدیس جڑ پکڑ چکی تھی اس کے باعث انہوں نے اس حکم سے کسی طرح سے بچ نکلنے کے لیے مین میخ نکالنی شروع کی اور طرح طرح کے سوال کرنے

لگے کہ وہ کیسی گائے ہو؟ اس کا کیا رنگ ہو؟ کس طرح کی ہو؟ کس عمر کی ہو؟ بالآخر جب ہر طرف سے اُن کا گھیراؤ ہو گیا اور سب چیزیں ان کے سامنے واضح کر دی گئیں تب انہوں نے چار و نا چار بادلِ نخواستہ اس حکم پر عمل کیا۔ اب ہم ان آیات کا ایک رواں ترجمہ کر لیتے ہیں۔

آیت ۶۷ ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً﴾ ''اور یاد کرو جب موسیٰؑ نے کہا اپنی قوم سے کہ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے کو ذبح کرو۔''

﴿قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا﴾ ''انہوں نے کہا کیا آپؑ ہم سے کچھ ٹھٹھا کر رہے ہیں؟'' کیا آپؑ یہ بات ہنسی مذاق میں کہہ رہے ہیں؟

﴿قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝﴾ ''فرمایا میں اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں اس سے کہ میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں۔''

ہنسی مذاق اور تمسخر و استہزاء تو جاہلوں کا کام ہے اور اللہ کے نبی سے یہ بعید ہے کہ وہ دین کے معاملات کے اندر ان چیزوں کو شامل کر لے۔

آیت ۶۸ ﴿قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ﴾ ''انہوں نے کہا (اچھا ایسی ہی بات ہے تو) ہمارے لیے ذرا اپنے ربّ سے دعا کیجیے کہ وہ ہم پر واضح کر دے کہ وہ کیسی ہو۔''

﴿قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ﴾ ''حضرت موسیٰؑ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ ایک ایسی گائے ہونی چاہیے جو نہ بوڑھی ہو نہ بالکل بچھیا۔''

﴿عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ﴾ ''بڑھاپے اور نوجوانی کے بین بین ہو۔''

﴿فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ۝﴾ ''تو اب کر گزرو جو تمہیں حکم دیا جا رہا ہے۔''

آیت ۶۹ ﴿قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا﴾ ''اب انہوں نے کہا (ذرا ایک دفعہ پھر) ہمارے لیے دعا کیجیے اپنے ربّ سے کہ وہ ہمیں بتا دے کہ اس کا رنگ کیسا ہو۔''

﴿قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ۝﴾ ''فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ گائے ہونی چاہیے زرد رنگ کی' جس کا رنگ ایسا شوخ ہو کہ دیکھنے والوں کو خوب اچھی لگے۔''

یہ خوبیاں اُس گائے کی تھیں جو اُن کے ہاں زیادہ سے زیادہ مقدس سمجھی جاتی تھی۔ اگر

پہلے ہی حکم پر وہ عمل پیرا ہو جاتے تو کسی بھی گائے کو ذبح کر سکتے تھے۔ لیکن یکے بعد دیگرے سوالات کے باعث رفتہ رفتہ اُن کا گھیراؤ ہوتا گیا کہ جس گائے کے تقدس کا تأثر ان کے ذہن میں زیادہ سے زیادہ تھا اُسی کو focus کر دیا گیا۔

آیت ۷۰ ﴿قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ﴾ ''انہوں نے کہا (ذرا پھر) اللہ سے ہمارے لیے دعا کیجیے کہ وہ ہم پر واضح کر دے کہ وہ گائے کیسی ہو''

﴿اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا﴾ ''کیونکہ گائے کا معاملہ یقیناً ہم پر کچھ مشتبہ ہو گیا ہے۔'' ہمیں گائے کی تعیین میں اشتباہ ہو گیا ہے۔

﴿وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾﴾ ''اور اگر اللہ نے چاہا تو ہم ضرور راہ پالیں گے۔''

آیت ۷۱ ﴿قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِى الْحَرْثَ﴾ ''فرمایا کہ اللہ فرماتا ہے وہ ایک ایسی گائے ہونی چاہیے کہ جس سے کوئی مشقت نہ لی جاتی ہو' نہ وہ زمین میں ہل چلاتی ہو اور نہ کھیتی کو پانی دیتی ہو۔''

﴿مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا﴾ ''وہ صحیح سالم یک رنگ ہونی چاہیے' اُس میں (کسی دوسرے رنگ کا) کوئی داغ تک نہ ہو۔''

﴿قَالُوا الْئٰنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ﴾ ''انہوں نے کہا اب آپ لائے ہیں ٹھیک بات۔'' اب تو آپؑ نے بات پوری طرح واضح کر دی ہے۔

﴿فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾﴾ ''تب انہوں نے اُس کو ذبح کیا اور وہ لگتے نہ تھے کہ ایسا کر لیں گے۔''

اب وہ کیا کرتے' پے بہ پے سوالات کرتے کرتے وہ گھیراؤ میں آ چکے تھے' لہٰذا بادلِ نخواستہ وہ اپنی مقدس سنہری گائے کو ذبح کرنے پر مجبور ہو گئے۔

یہاں واقعہ کی ترتیب تورات سے مختلف ہے اور ذبح بقرہ کا جو سبب تھا وہ بعد میں بیان ہو رہا ہے' جبکہ تورات میں ترتیب دوسری ہے۔

آیت ۷۲ ﴿وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا﴾ ''اور یاد کرو جب تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا' اور اُس کا الزام تم ایک دوسرے پر لگا رہے تھے۔'' چنانچہ پتا نہیں چل رہا تھا کہ قاتل کون ہے۔

﴿وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ﴾ ''اور اللہ کو ظاہر کرنا تھا جو کچھ تم چھپاتے تھے۔''

اللہ تعالیٰ فیصلہ کر چکا تھا کہ جو کچھ تم چھپا رہے ہو اسے نکال کر رہے گا اور واضح کر دے گا۔

آیت ۷۳ ﴿فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا﴾ ''تو ہم نے حکم دیا کہ مقتول کی لاش کو اُس گائے کے ایک ٹکڑے سے ضرب لگاؤ۔''

اس طرح وہ مُردہ شخص بحکمِ الٰہی تھوڑی دیر کے لیے زندہ ہو گیا اور اُس نے اپنے قاتل کا نام بتا دیا۔

﴿كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى﴾ ''دیکھو! اسی طرح اللہ مُردوں کو زندہ کر دے گا''

﴿وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ ''اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں (اپنی قدرت کے نمونے) دکھاتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو''۔

اب جو الفاظ آ گے آ رہے ہیں بہت سخت ہیں۔ لیکن ان کو پڑھتے ہوئے دروں بینی ضرور کیجیے گا' اپنے اندر ضرور جھانکئے گا۔

آیت ۷۴ ﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ﴾ ''پھر تمہارے دل سخت ہو گئے اس سب کے بعد''

جب دین میں حیلے بہانے نکالے جانے لگیں اور حیلوں بہانوں سے شریعت کے احکام سے بچنے اور اللہ کو دھوکہ دینے کی کوشش کی جائے تو اُس کا جو نتیجہ نکلتا ہے وہ دل کی سختی ہے۔

﴿فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً﴾ ''پس اب تو وہ پتھروں کی مانند ہیں' بلکہ سختی میں ان سے بھی زیادہ شدید ہیں''۔

یہ فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بھی قرآن حکیم کا ایک بڑا عمدہ مقام ہے۔

﴿وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ﴾ ''اور پتھروں میں سے تو یقیناً ایسے بھی ہوتے ہیں جن سے چشمے پھوٹ بہتے ہیں۔''

﴿وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ﴾ ''اور ان (پتھروں اور چٹانوں) میں سے بے شک ایسے بھی ہوتے ہیں جو شق ہو جاتے ہیں اور ان میں سے پانی برآمد ہو جاتا ہے۔''

﴿وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ﴾ ''اور ان میں سے یقیناً وہ بھی ہوتے ہیں جو اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔''

(باقی صفحہ 60 پر)